جنگِ آزادی کا ایک عظیم مجاہد

حاجی صاحب ترنگ زئی

جنہیں برطانوی سامراج تمام طاقتوں سے بھی زیر نہ کر سکا

ترنگ زئی تحصیل چارسدہ میں چارسدہ شہر سے تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے ایک سال پہلے یعنی ۱۸۵۶ء[1] میں اس گاؤں میں گلشنِ ولایت و حریت کا وہ گلِ سرسبد کھلا جسے تاریخ "فخر المجاہدین حاجی فضل واحد ترنگ زئی" کے نام سے یاد کرتی ہے۔

حاجی صاحب کے مورثِ اعلیٰ سید بہاء الدین قندھاری ساتویں صدی ہجری میں وادیٔ پشاور میں تشریف لائے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدین محمد غوری ہندوستان پر حملے کے بعد ۱۱۹۲ء میں واپس ہوا تو اس کے لشکر میں بارہ ہزار افغان سپاہی تھے۔ ان کو غوری نے اشنغر (علاقہ چارسدہ) کوہِ سلیمان اور باجوڑ کے علاقوں میں آباد کیا۔ افغان قبیلہ ماموں زئی (محمد زئی) کے بہت سے افراد اشنغر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ انہوں نے قندھار کے بزرگ "بابا ولی"[2] سے درخواست کی کہ وہ ماموں زئیوں کی اصلاح و تزکیہ کے لئے اپنے فرزند سید بہاء الدین کو نوآباد ماموں زئی قبیلے میں بھیج دیں۔ بابا ولی نے انکی درخواست منظور کر لی۔ اور سید بہاؤ الدین کو ۶۵۰ھ مطابق ۱۲۵۲ء کے لگ بھگ قندھار سے وادیٔ پشاور بھیج دیا ـــــ

آج کل سید بہاء الدین عوام میں پیر بودے بابا کے نام سے معروف ہیں۔ ان کا مزار اتمان زئی

---

[1] "تذکرۂ علماء مشائخ سرحد" کے مؤلف نے سالِ ولادت ۱۸۴۲ء لکھا ہے۔ مگر زیادہ تر تذکرہ نگاروں نے ۱۸۵۶ء ہی لکھا ہے۔

[2] بابا ولی کا مزار قندھار میں ہے۔ حسن ابدال ضلع کیمبل پور میں پہاڑی کی چوٹی پر ان سے منسوب ایک بیٹھک ہے۔

کی سنول گرہ یعنی چاول بونے کے علاقے میں ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے۔ پٹھان مرد و عورتیں دور دور سے زیارت کے لئے حاضر ہوتی ہیں اور جاہلانہ عقائد کی وجہ سے فیض مانگتی اور چڑھاوے چڑھاتی ہیں۔ زائرین میٹھی چوری یعنی مالیدہ بانٹتے ہیں۔ دنبے ذبح کرتے ہیں۔ اور ہر سال مزار کو قیمتی غلافت چڑھاتے ہیں ــــــ۔

پیر بودے بابا کا روحانی فیض سرحد سے نکل کر پنجاب میں عام ہوا۔ نور پور شاہان (راولپنڈی) کے مجذوب شاہ عبداللطیف[1] برّی کا سلسلہ ارادت پانچویں درجے میں سید بہاء الدین سے مل جاتا ہے۔

حاجی فضل واحد کی والدہ کاکاخیل خاندان سے تھیں۔ جن کے جدِ امجد حضرت شیخ رحمکار[2] معروف بہ کاکاخیل مشہور بزرگ ہیں، جن کا مزار اکوڑہ خٹک کے جنوب مغرب میں ۹ میل دور پہاڑی میں واقع ہے۔

حاجی صاحب کا خاندان گرد و نواح میں تقویٰ و تقدس اور زہد و ورع کی وجہ سے غیر معمولی شہرت کا مالک تھا۔ حاجی صاحب کی شخصیت اس گھرانے کی شہرت اور نیک نامی کو مزید چار چاند لگ گئے۔

تعلیم و تربیت حاجی صاحب نے خاندانی روایات کے مطابق مروجہ تعلیم پائی۔ مسجد میں قرآن کریم پڑھا۔ اور ابتدائی تعلیم پائی بعد ازاں اس دور کے مشہور عالم مولانا ابوبکر اخوند زادہ سے اکتساب علم کیا۔ کچھ عرصہ کے لئے "چکال بالا" میں بسلسلۂ تعلیم مقیم رہے۔ اکتساب تعلیم کے بعد کھیتی باڑی کو ذریعہ روزگار کے طور

---

[1] شاہ عبداللطیف برّی کے بارے میں مؤلف "حدیقۃ الاولیا" غلام سرور لاہوری لکھتا ہے:

"شاہ لطیف برّی قادری بزرگان پنجاب سے حضرت بڑے بزرگ مشہور ہیں۔ حضرت کے خوارق و کرامات ہزاروں مشہور ہیں۔ حضرت بڑے عابد و زاہد، گوشہ نشین مجذوب تھے۔ ہزاروں مرید مدارج تکمیل کو پہنچے۔ حضرت نے نعمت باطنی حضرت حیات المیر زندہ پیر سے پائی جو غوث الاعظم کے پوتوں میں سے تھے۔ اور زندہ جاوید ہیں۔ حضرت کی وفات ۹۶۴ھ/ ۱۵۵۶ء میں ہوئی اور روضۂ اقدس مشہور ہے" ص۹

حال ہی میں پروفیسر منظور الحق صدیقی نے "برّی شاہ لطیف" کے نام سے مجذوب شاہ لطیف کی جامع سوانح لکھی ہے۔

[2] شیخ رحمکار (۹۸۳ھ ــــ ۱۰۶۴ھ) عہد جہانگیر کے ولی اللہ تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی سے ان کے روابط تھے اور اپنے علاقے میں مرجع عوام تھے۔ آج بھی ان کا خاندان علمی اعتبار سے برآمد روزگار رہے ہے۔ شیخ رحمکار کے حالات زندگی کے لئے سید سیاح الدین کاکاخیل کی تالیف "تذکرہ شیخ رحمکار" ملاحظہ ہو۔

پر اپنایا ۔۔۔۔۔۔

بیعت اور جہاد | حاجی صاحب نے اپنے دور کے عظیم مجاہد نجم الدین عرف بڑے ملّا کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی۔ نجم الدین معروف بہ بڑے ملّا اخوند عبدالغفور صاحب سوات کے خلیفہ و جانشین تھے۔ اخوند عبدالغفور اور بڑے ملّا ؒ نے صوبہ سرحد اور نواحی علاقوں میں بااثر بزرگ اور غیور مجاہد گزرے ہیں۔

اخوند عبدالغفور نے انگریزوں کے قبضہ پشاور (۱۸۴۹ء) کے بعد سوات اور بنیر کے علاقوں میں شرعی حکومت کے قیام کی جدوجہد کی۔ چنانچہ ۱۸۵۰ء میں سوات کے ایک نمائندہ جرگہ میں شرعی حکومت کا امیر سید احمد شہید ؒ کے مرید سید اکبر شاہ کو چنا گیا۔ مجاہدین کی سابقہ بہمات اور جانفروشی کو دیکھتے ہوئے سوات کی شرعی حکومت کو انگریزوں نے اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھا۔ اگرچہ سید اکبر شاہ ۱۸۵۷ء میں فوت ہو گئے تھے تاہم انگریز ہر صورت میں شرعی حکومت کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے ۔۔۔۔۔۔

۲۰ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو برطانوی فوج نے بریگیڈیر جنرل سرنیویل چمبرلین کی سرکردگی میں امبیلہ پر چڑھائی کی۔ برطانوی حکومت نے اس مہم پر پوری قوت لگا دی تھی۔ ۱۶ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو اخوند عبدالغفور صاحب میدانِ جہاد میں مصروفِ عمل نظر آتے ہیں۔ ابتداء میں مجاہدین کا پلہ بھاری تھا۔ مگر برطانوی زر دولت نے اپنوں کے دل جیت لیے۔ اور فتح شکست میں بدل گئی۔ ۲۷ دسمبر ۱۸۶۳ء کو برطانوی فوج ہندوستانی مجاہدین کی مرکزی بستی اور کیمپ "ملکا" کو آگ لگا کر واپس چلی گئی اور اخوند صاحب اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ دوبارہ دعوتِ جہاد پھیلانے سوات اور بنیر کے علاقے میں چلے گئے۔

اخوند عبدالغفور ۱۸۷۷ء میں فوت ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں مشہور مجاہد عمرا خان کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ سوات اور سمہ میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہ آتی تھی جو اس نازک دور میں مسلمانوں کی قیادت کے فرائض انجام دیتی۔ ہر طرف مشکلات اور مایوسی کے بادل چھائے ہوئے تھے کہ عین عالم مایوسی میں اخوند عبدالغفور کے دو مریدوں کی صورت میں امید کی کرن نظر آئی۔ ایک تو سعد اللہ خان معروف بہ "سرتور فقیر" تھے۔ جنہوں نے سوات اور اس کے ملحقات کے غازیوں کی قیادت سنبھالی۔ دوسرے نجم الدین اخوند زادہ تھے۔ جنہوں نے مہمند، باجوڑ اور کنڑ کے غازیوں کی راہنمائی کی۔ نجم الدین بڑے ملّا کی قیادت میں ۱۸۹۷ء میں حاجی صاحب ترنگ زئی نے مالاکنڈ، ہیرکلی، بٹ خیلہ اور چکدرہ کے محاذوں پر دادِ شجاعت دی۔

تجدید بیعت | ۱۹۰۲ء میں بڑے ملا صاحب ایک عرصہ برطانوی حکومت کے لئے دردِ سر بنے رہنے کے بعد اپنے اللہ سے جا ملے تو حاجی صاحب نے ان کے خلیفہ حضرت صوفی عالم گل سے تجدید بیعت کی اور کرۂ سلوک کی مزید منازل طے کیں۔ صوفی عالم گل نے انہیں اپنی خلافت سے سرفراز کیا اور اپنی تلوار و دستار عنایت کی۔

زیارت حرمین | ۱۹۰۸ء میں حاجی صاحب فریضہ حج ادا کرنے ارضِ حجاز روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے ایک بار حج کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ حاجی صاحب کے سفرِ حج نے ان کی سوچ کو ایک نیا راستہ بتایا۔ برصغیر کے اندرونی علاقوں کا سفر کرنے سے انہوں نے تعلیم کی اہمیت محسوس کی اور مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے دوران قیام میں تجدید سنت کا ذوق لے کر واپس آئے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر | حجاز سے واپسی کے بعد حاجی صاحب نے مسلمانانِ سرحد کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ ۱۹۱۰ء میں ضلع پشاور (جس میں اس وقت مردان بھی شامل تھا۔) میں تبلیغی و اصلاحی مشن کا آغاز کیا۔ اور اس مہم کو اس جانفشانی اور تندہی سے انجام دیا کہ قلیل مدت میں ضلع بھر کے عوام کے خاندانی جھگڑوں کا فیصلہ کر دیا۔ قتل مقاتلے تک کے مقدمات کچہریوں میں جانے کی بجائے۔ ان کے قائم کردہ جرگوں میں فیصل ہو جاتے۔ کچہریاں اجڑ گئیں کیوں کہ کسی کو وہاں جانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔ حاجی صاحب نے پیدائش، شادی بیاہ اور مرگ کی فضول رسموں کے بند کرانے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ قوم کی جملہ خرابیوں کو دور کرنے کے لئے تعلیم عام کی۔ اس مقصد کے لئے ضلع پشاور کے طول و عرض میں ۷۰ اسلامی مدارس قائم کئے۔ ان مدارس کی نگرانی ایک مرکزی بورڈ کرتا تھا۔ موضع گدّر تحصیل صوابی میں مرکزی مدرسہ تھا۔ ہزاروں قبائلی اور غیر قبائلی طالب علموں نے ان مدارس سے استفادہ کیا۔ حاجی صاحب کی یہ اصلاحی و تعلیمی تحریک اپنی مدد آپ کے اصول پر چل رہی تھی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ حاجی صاحب اپنی لگن اور مجاہدانہ جذبہ کی بدولت مسلمانانِ سرحد میں اس قدر مقبول ہوئے کہ صوبے کی تاریخ میں ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ حاجی صاحب جہاں جاتے ہزاروں عقیدت مند پروانہ وار ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ اور ہر طرح ان کی مساعی میں شریک ہوتے۔ حاجی صاحب کی ہر دلعزیزی نے برطانوی حکومت کو بدحواس کر دیا۔ اور مسلمانانِ سرحد کی بیداری برطانوی اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتی تھی۔

گرفتاری اور رہائی | یہ وہ دور تھا جب اندرونِ ہند طرابلس اور بلقان کی جنگوں کی وجہ سے مسلمانوں میں ہیجان پایا جاتا تھا۔ مسلمان راہنماؤں کی شعلہ بار تقریروں اور پُر اثر تحریروں سے جذبات میں آگ لگی ہوئی تھی۔ مولانا آزاد کا "الہلال"، مولانا محمد علی جوہر کا "کامریڈ" اور ظفر علی خان کا "زمیندار" عوام کے جذبات

کو ابھارے ہوئے تھا۔ برطانوی حکومت نے محسوس کیا۔ کہ اندرونِ ہند کا یہ متعدی جذبہ سرحد کے غیور و جانباز مجاہدوں تک پہنچ گیا تو حالات کنٹرول سے باہر ہو جائیں گے۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء کے آغاز میں حاجی صاحب اور ان کے چند رفقاء کو گرفتار کر لیا گیا۔ حاجی صاحب کی گرفتاری سے مسلمانانِ سرحد بے چین ہو گئے۔ حکومت کو صوبے میں عام بغاوت کا خدشہ نظر آنے لگا۔ تو حاجی صاحب کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا، اور ان کے خلفاء کو تین تین سال قید کی سزا دی گئی۔

گرفتاری سے حاجی صاحب اور ان کے عقیدت مندوں کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں اور ان کا رخ بھی واضح ہو گیا۔ ٹمٹماتے ہوئے دیئے کو تو ہوا کا تیز جھونکا گل کر دیتا ہے۔ مگر بھڑکتا ہوا الاؤ اس سے بجھنے کی بجائے اور تیز ہو جاتا ہے۔ حاجی صاحب کی سرگرمیاں دیکھتے ہوئے برطانوی حکومت دوبارہ گرفتاری کی تدبیریں سوچنے لگی۔

اسلامیہ کالج پشاور کا سنگِ بنیاد ۱۹۱۳ء میں صاحبزادہ عبدالقیوم کی کوششوں سے اسلامیہ کالج وجود میں آیا۔ حاجی صاحب کی ہر دلعزیزی اور تعلیم و تدریس سے ان کی والہانہ لگن کے پیشِ نظر صاحبزادہ صاحب ان کی انگریز دشمنی کے باوجود اس عمارت کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے انہیں دعوت دی۔ حاجی صاحب کی گرفتاری کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ چونکہ اس تقریب میں شمولیت کا وعدہ کر چکے تھے۔ اس لئے عین وقت پر نہایت پُراسرار طریقے سے وہاں پہنچے۔ اس وقت انہوں نے چادر سے منہ ڈھانپ رکھا تھا۔ انہوں نے نہایت ڈرامائی طور پر عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا اور مخصوص ساتھیوں کے ساتھ فوراً وہاں سے نکل گئے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے رابطہ اسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور ان کے رفقاء برطانوی اقتدار سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک منصوبہ پر کام کر رہے تھے۔ ان کا نقطۂ نگاہ یہ تھا۔ کہ بیرونی مسلمان ملکوں افغانستان اور ترکی وغیرہ کو اس بات پر آمادہ کیا جائے۔ کہ وہ ہندوستان پر حملہ آور ہوں اور مسلمان آبادی مقامی ہندوؤں کے ساتھ مل کر اندرونِ ملک ہتھیار اٹھائے۔ اس طرح بیرونی حملے اور اندرونی جہادِ آزادی سے برطانوی اقتدار ختم ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے شیخ الہندؒ نے ہندوستان بھر میں اپنے رفقاء کے ذریعے فضا ہموار کی اور زیرِ زمین سرگرمیاں جاری رکھیں۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ الہندؒ نے بار بار مولانا عبید اللہ (سندھی) اور مولانا عزیر گل صاحب کو ان کی خدمت میں بھیج کر اپنے مشن میں داخل کیا اور جہادِ حریت کے لئے آمادہ کیا

اور اسے ندا کی کہ وہ اپنے وطن سے آزاد علاقے (یاغستان) میں ہجرت کر کے چلے جائیں۔ اور وہاں کے مرکز کو سنبھالیں۔ اور اپنے شاگردوں کو لکھا کہ وہ حاجی صاحب ترنگ زئی کی تابعداری کریں اور ان کی امداد و اعانت میں کسی کوتاہی کو روا نہ رکھیں[1]۔

ہجرت | چنانچہ حاجی صاحب براہ نوزخوڑہ بنیر کے علاقے طوطائی چلے گئے۔ رمضان کا مہینہ قریب تھا۔ رمضان المبارک میں عقیدتمند طوطائی میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے مریدوں کی جمعیت کیساتھ برطانوی حکومت کے خلاف جہاد بالسیف شروع کر دیا۔ یہ جھڑپیں ۲۷ دن کے بعد بند ہو گئیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ طوطائی میں گزار کر "سور کمر"[2] چلے گئے۔ اور ایک گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ اس جگہ کا نام "کند غار" تھا۔ ان کے آنے سے اس کا نام "غازی آباد" مشہور ہوا۔ یہاں ۱۹۱۵ء تک مقیم رہے۔

حاجی صاحب کی ہجرت حضرت شیخ الہندؒ کی ترغیب اور ایک مکمل پلان کے مطابق تھی۔ حاجی صاحب کے علاقہ غیر میں ہجرت کر جانے سے برطانوی حکومت کی تشویش بجا تھی کہ ایک بااثر مذہبی راہنما کا ہاتھ سے نکل کر دشمن کی حیثیت سے علاقہ غیر میں جا پہنچنا واقعی خطرناک بات تھی۔ جبکہ ان ہی دنوں یورپ میں عالمی جنگ کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اس وقت ایک انگریز افسر نے کہا:

"حاجی صاحب ترنگ زئی کا ہمارے ہاتھ سے نکل جانا ہندوستان میں ہماری سب سے پہلی ناکامی ہے۔"

حاجی صاحب کے قیام کے بعد "غازی آبادی" آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ جس علاقے میں پہلے بدامنی اور لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ اور اسلحہ کے بغیر گزرنا ممکن نہ تھا۔ حاجی صاحب کی اصلاحی اور تبلیغی کوششوں سے امن و امان قائم ہو گیا۔ راستے محفوظ ہو گئے۔ اور لوگ بغیر کسی خطرے کے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے لگے۔ حالانکہ یہ ایسا علاقہ تھا جہاں کوئی سیاسی طاقت بھی امن قائم نہ کر سکی تھی۔

حاجی صاحب نے علاقے کے عوام کو آئین شریعت کا پابند بنایا۔ بری رسموں سے روکا اور ان کی اصلاح وارشاد سے قبائل میں بڑی حد تک ایسی رسوم ختم ہو گئیں۔ پرانی عداوتیں مٹ گئیں۔ برادریاں قائم ہوئیں اور پری جنبے یعنی دھڑے بندیاں عہد ماضی کی یادگار بن گئیں۔

شب قدر پر حملہ | غازی آباد میں حاجی صاحب کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے برطانوی حکومت نے

۱۔ نقش حیات ج دوم ص ۱۸۲　　۲۔ اس مقام کا لفظی ترجمہ "سرخ چٹان" ہے۔

قبائل کو توڑنے اپنے ساتھ ملانے کیلئے زر و مال پانی کی طرح بہانا شروع کر دیا۔ حاجی صاحب حکومت کی ان کارروائیوں سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے جہاد کی تیاری شروع کر دی اور ۱۹۱۹ء میں شب قدر کے قلعہ پر حملہ کر دیا جہاں قبائل میں پھوٹ ڈالنے کی سازشیں ہو رہی تھیں۔ شب قدر کے بعد "ڈکہ" پر چڑھائی کی۔ ہر دو مقامات پر برطانوی حکومت کو نقصان اٹھانا پڑا اور قبائل میں پھوٹ ڈالنے سے پہلے ان کی سازشوں کے اڈوں پر کاری ضربیں لگا دی گئیں۔

اس کے بعد حاجی صاحب اور برطانوی فوجی دستوں میں گاہے گاہے جھڑپیں ہوتی رہیں۔ مہمند کے علاقے کا ذرہ ذرہ ان جھڑپوں کا گواہ ہے۔ حاجی صاحب کو کوئی مادی لالچ نہ تھی۔ وہ "مرد مومن" کی صحیح تصویر تھے ـــ

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن　　　نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

وہ تو اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر یہ تمام کٹھائیاں اور مشکلات برداشت کر رہے تھے۔ جب کبھی سرحد میں کوئی غازیانہ معرکہ ہوتا وہ اپنی ضعیفی و نقاہت کے باوجود اپنے عقیدت مندوں کیساتھ داد شجاعت دے رہے ہوتے۔ چٹیل میدان ہو یا سنگلاخ سلسلہ ہائے کوہ ہر جگہ شیر کی طرح ڈٹے رہتے تھے ـــــــ مولانا حسین احمد مدنی رح ان کی معرکہ آرائیوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"محکمہ انگریزی خفیہ پولیس نے ذرہ ذرہ کی خبریں حکام برطانیہ کو پہنچائیں۔ چنانچہ پیش بندی کے طور پر انگریزی فوجیں قدیمی سرحدوں سے آگے یاغستان میں میلوں داخل ہو گئیں اور متعدد مقامات پر قبضہ کر لیا۔ مجاہدین کب صبر کر سکتے تھے۔ انہوں نے نہایت جوش اور جوانمردی سے یکے بعد دیگرے ایسے زوردار متواتر حملے کئے کہ پلٹنوں کی پلٹنیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈالیں اور پھر جو فوجیں آگے بڑھ گئی ہیں۔ اُن کی امداد اور رسد بند کر دی اس طرح ہزاروں نہیں لاکھوں کا وارا نیارا ہو گیا۔ اور سامان تو کروڑوں کا تلف ہو گیا.... چند مہینوں کی جنگ میں انگریزوں کو انتہائی نقصان جان و مال کا اٹھانا پڑا اور تمام دعاوی اور اولوالعزمیاں خاک میں مل گئیں"

آغاز میں حاجی صاحب ترنگ زئی کی کامیابیوں اور انگریزی فوج کی تباہی و بربادی کو دیکھ کر برطانوی حکومت نے میدان جنگ میں مقابلہ کو موزوں نہ سمجھا اور مجاہدین کی طاقت پر کاری ضرب لگانے کے لئے امیر حبیب اللہ خان والیٔ افغانستان کے ساتھ ساز باز کی۔ حبیب اللہ خان کے ذریعے سرداران قبائل کو بھاری رشوتیں دیں اور اپنے لوگوں سے یہ پروپیگنڈہ کروایا کہ جہاد بادشاہ کی قیادت کے بغیر اسلامی شریعت

میں جائز نہیں۔ مسلمانوں کا بادشاہ ان اطراف میں حبیب اللہ خان ہے۔ اس لئے عوام کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہئے اور جب امیر علم جہاد بلند کرے۔ عوام ان کے ساتھ جہاد میں حصہ سے کر "جہادِ اسلامی" کا اجروثواب حاصل کرسکیں گے۔ سردار نصر اللہ خان اس کام کے ناظم تھے اور تمام بیعت نامے ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔ اس پروپیگنڈے اور لوگوں کے ضمیر خریدنے پر روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا۔ نتیجے میں مجاہدین کی قوت کمزور ہو گئی۔ مولانا عبید اللہ سندھی اپنی "ذاتی ڈائری" میں لکھتے ہیں:

> "انگریزوں نے کافی روپیہ امیر (حبیب اللہ خان) کو دیا کہ یاغستان میں تقسیم کرے اور اپنی سلطنت کے نام پر قبائل افغانیہ سے بیعت نامے حاصل کرے اور پشاور میں افغانوں کو کہا جاتا کہ امیر کابل جہاد کرے تو اس وقت تم بیشک جہاد میں شریک ہو جاؤ۔ لیکن بغیر بادشاہ کے جہاد ناجائز ہے۔ اس عام بدنظمی سے پرہیز کرو۔ اس طرح حاجی ترنگ زئی کے آدمی اور ہندوستانی مجاہدین کے کارندے سب اسی کام پر مامور ہو گئے کہ وہ امیر کابل کے نام بیعت نامے حاصل کریں۔ یہ انگریزی روپیہ انہیں لوگوں کے ہاتھ یاغستان میں تقسیم ہوا۔ اس کو سرانجام دینے والے نائب السلطنت امیر نصر اللہ خان تھے۔ تمام بیعت نامے ان کے دفتر میں محفوظ رہتے تھے۔"

امیر حبیب اللہ تو انگریزوں کے حمایتی تھے۔ اور ان کا علم جہاد اٹھانا ایسے ہی تھا جیسے نیم کے درخت کے ساتھ انگور کے خوشے لٹکنے لگیں مگر پروپیگنڈہ کامیاب رہا۔ اور مجاہدین کو سخت نقصان پہنچا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم سے افغانستان میں حریت کے جذبات پیدا ہوئے۔ امیر حبیب اللہ کی انگریز دوستی اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔ اور آخر ایک روز جلال آباد میں قتل کر دیا گیا۔

جہاد مینجی اوغلی | برطانوی حکومت نے جنگ افغانستان سوم کے بعد ۱۹۲۶ء میں مہمندوں کے علاقے میں سڑکیں بنانا شروع کیں۔ یہ سڑکیں درحقیقت "آزادی" چھیننے کا سبب بن سکتی تھیں۔ برطانوی حکومت کی فوج کی نقل وحرکت میں آسانیاں مجاہدین کے لئے ہرگز خوش آئند نہ تھیں۔ حاجی صاحب نے قبائل کو متحد کر لیا اور جہاد کا اعلان کر دیا۔ سڑکیں توڑ دیں اور ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء سے ۷ نومبر ۱۹۳۰ء تک تقریباً ساڑھے چھ ماہ معرکہ آرائی جاری رہی۔ بالآخر برطانوی فوج کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور سڑک کی تعمیر روک دینے کا وعدہ کرنے پر مجاہدین نے صلح کر لی۔

فیصلہ کن معرکہ | برطانوی حکومت اپنے معاہدات کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کرتی تھی اور سڑکیں بنانے پر بضد تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء میں دوبارہ جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ ۱۹۳۵ء میں برطانوی فوج نے مجاہدین کے کیمپ

پر ہوائی جہازوں سے بم گرائے لیکن فتح و نصرت مجاہدین کے قدم چوم رہی تھی۔

برطانوی حکومت کے ساتھ حاجی صاحب ترنگ زئی کا آخری معرکہ ۱۹۳۵ء میں ایک پہاڑی کی چوٹی "ناحقی" پر ہوا جب کہ وہ نقاہت اور ضعف کی وجہ سے چل پھر نہ سکتے تھے، اور ایک پالکی میں بیٹھا کر میدان جنگ میں لے جائے گئے۔ کیوں کہ پاؤں میں تکلیف ہونے کی وجہ سے گھوڑے کی رکاب میں پاؤں نہیں ڈال سکتے تھے[1] یہ بہت نازک موقع تھا۔ انگریزی فوجیں ایسے مقام پر پہنچ گئی تھیں کہ چوٹی سے نیچے اتر کر ہلہ بول دینے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ حاجی صاحب کے مورچے پر جانے کی خبر سنتے ہی دور دراز عقبی علاقوں سے ایسے ایسے قبائل چلے آئے جو فاصلہ زیادہ ہونے کے سبب لڑائی میں شریک نہ ہو سکتے تھے۔ اس معرکے میں مشہور "گائیڈ پلٹن" نے حصہ لیا اور پوری قوت سے حملہ آور تھی۔ مجاہدین نے دشمن کو موقع دیئے بغیر ناحقی کی چوٹی پر پہنچ کر دست بدست لڑائی لڑی اور پوری فوج کو تہس نہس کر دیا اور صرف چند نفری زندہ بچ سکیں۔ اس زبردست فتح کے بعد برطانوی حملوں کا خطرہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اور مجاہدین بے اندازہ مال اور اسلحہ مال غنیمت کے طور پر ہاتھ آیا۔

وفات حاجی صاحب ترنگ زئی کی تازیانہ جدوجہد کے بعد مزید حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا مگر جلد ہی وہ بیمار ہو گئے۔ اور سال بھر بستر علالت پر رہنے کے بعد ۱۹۳۷ء مطابق ۱۳۵۶ھ کو ۸۱ سال کی عمر میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔ ان کی وصیت کے مطابق غازی آباد کی مسجد کے صحن میں دفن کئے گئے۔

ماخذ:۔ ۱۔ باچا خان۔ (فارغ بخاری) ۲۔ تذکرہ شیخ رحمکار (سید صباح الدین کاکاخیل)

۳۔ تذکرہ صوفیائے سرحد۔ (اعجاز الحق قدوسی) ۴۔ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (محمد امیر شاہ قادری)

۵۔ صاحب سوات۔ (ظہور الحق ظوردی) ۶۔ ماہ نو (جنگ آزادی نمبر) ۷۔ نقش حیات (شیخ الاسلام حسین احمد مدنی)

۸۔ ذاتی ڈائری۔ (عبید اللہ سندھی)

---

[1] مولانا عبدالحق شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کو حاجی صاحب سے نیاز حاصل تھا۔ اور ان کیساتھ نامہ و پیام رہتا تھا۔ شیخ الحدیث صاحب نے راقم الحروف کو بتایا کہ حاجی صاحب ترنگ زئی کے موزوں میں انگریزوں نے سازش سے ایک شخص کے ذریعے زہر ڈلوا دیا تھا۔ حاجی صاحب نے زہر آلود موزے استعمال کئے تو پاؤں اس قدر متاثر ہو گئے کہ چلنا پھرنا ممکن نہ رہا۔ خادم انہیں اٹھا کر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں لے جاتے تھے جس عاقبت نااندیش شخص نے چند ٹکوں کی خاطر یہ کام کیا تھا، اسے وعظ و نصیحت کر کے "غازی آباد" سے رخصت کر دیا۔ حاجی صاحب کی خدمت میں شیخ الحدیث صاحب کی حاضری نامہ و پیام اور روابط پر ایک الگ مضمون میں روشنی ڈالوں گا۔ انشاء اللہ۔ (اختر راہی)